© rasailojaraid.com

عربی مدارس کا موجودہ نصابِ تعلیم

شبیر احمد خاں غوری ایم اے۔ ایل ایل۔ بی۔ بی۔ ٹی۔ ایچ

اس عنوان سے جناب طفیل احمد قریشی صاحب ایم۔ اے کا ایک مضمون "الرحیم" کی سابقہ اشاعت (اپریل ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا ہے، جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، شاید ہی کسی کو اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار ہو۔ نصاب تعلیم میں ہمیشہ اصلاح ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہونا چاہیئے، البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ یہ اصلاحی تجاویز کمال ذمہ داری اور احتیاط سے مرتب کی جائیں اور اسی احتیاط کے ساتھ انھیں عمل میں لایا جائے۔ اس کے لئے اس عاجز کے خیال میں چند چیزوں کی ضرورت ہے:۔

(۱) اسلامی سماج میں عربی ادب اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا مقصد،

(۲) بدلے ہوئے حالات اور زمانے کے نئے تقاضوں کا مطالعہ،

(۳) یہ فیصلہ کہ ان نئے حالات کے کون تقاضے عارضی ہیں اور کون دیرپا،

(۴) آیا ان "دیرپا" تقاضوں کے پورا کرنے کا موجودہ نصاب میں کوئی انتظام ہے یا نہیں، اور اگر نہیں ہے تو کیا اس سے پہلے جو نصاب نافذ رہے ہیں ان میں اس کا کوئی انتظام تھا یا نہیں [کیونکہ تاریخ کے بہتے ہوئے سکون ناپذیر دھارے میں دریا کا مزاج بہ حیثیت مجموعی ایک ہی رہتا ہے]

(۵) ان سب باتوں کا مطالعہ کرنے اور پھر ایک مفید نتیجہ پر پہونچنے کے لئے ہمیں عربی مدارس اور ان کے نصاب تعلیم کی تاریخ کا بڑی دقت نظر سے جائزہ لینا ہوگا کیونکہ یہی وہ مواد ہے جس کے سہارے ہم مستقبل کے لئے کسی مفید اور دیرپا لائحہ عمل کو مرتب کرسکتے ہیں۔

مضمون نگار بھی اس بنیادی نکتہ سے ناواقف نہ تھے اور ان کے مضمون کا بڑا حصہ قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ مگر ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں اُن سے جابجا تسامحات ہوئے ہیں۔ لہٰذا فطری امر ہے کہ "اصلاح نصاب" کے ضمن میں انھوں نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ اتنی مفید و موثر نہیں ہیں جتنی ضرورت ہے۔

بہرحال مسلم ہندوستان کی صحیح اور واقعی علمی و تعلیمی تاریخ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ آئندہ کے ہر اصلاحی پروگرام کی "علت مادی" یہی علمی و تعلیمی تاریخ ہوگی، اگر یہ ذمہ داری کے ساتھ صحیح مرتب کی گئی ہے تو صحیح نتیجہ پر پہونچنے کی توقع کی جانا چاہیئے اور اگر یہی بنیادی مواد غیرذمہ داری کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تو کسی صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی اُمید بیش از اُمید موہوم نہیں ہوسکتی۔

مگر مضمون کے مطالعہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ قریشی صاحب نے اس بنیادی ضرورت کو خود اعتنا نہیں سمجھا اور اس تاریخی جائزے کا بیشتر حصہ اس انداز میں پیش کیا ہے جو محل نظر ہے اس لئے ان کی نشان دہی کی جارہی ہے جس کا مقصد محض اس ذہنی انتشار کا ازالہ ہے جو غلط واقعات کے ذہن میں راسخ ہونے کے بعد صحیح حالات کے سننے سے طاری ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد اگلی قسط میں مسلم ہندوستان کی تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، تاکہ اربابِ فکر اُن کی روشنی میں مستقبل کے لئے ایک مفید و مؤثر اور دیرپا اصلاحی پروگرام مرتب فرما سکیں، و باللہ التوفیق۔

۱۔ مضمون نگار نے فرمایا ہے:—

"چوتھی صدی ہجری کے ایک مشہور عرب سیاح المقدسی کے بیان کے مطابق پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمان سرزمین سندھ میں ہندوستان کو اپنے علوم سے روشناس کرا چکے تھے"

فاضل مضمون نگار نے اپنے ماخذ کا بتقید صفحات حوالہ نہیں دیا۔ مقدسی نے جو کچھ "احسن التقاسیم" میں لکھا ہے وہ اپنے عینی مشاہدات کی بناء پر لکھا ہے اور وہ (مقدسی) سندھ کے اندر چوتھی صدی (۳۷۵ھ) میں آیا تھا۔ وہ سندھ (منصورہ) کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"المنصورة هي قصبة السند ... واهلها مروة وللاسلام عندهم طراوة والعلم واهله كثير" (احسن التقاسیم صفحہ ۴۷۹)	منصورہ سندھ کا پایہ تخت ہے ... ... اہل منصورہ میں شرافت ہے اور اُن کے یہاں اسلام کو بڑا فروغ ہے نیز یہاں علم اور علماء کی بڑی کثرت ہے۔

آگے چل کر وہ یہاں کے مذہب اور مذہبی تعلیم کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"اكثرهم اصحاب الحديث ورأيت القاضي ابا محمد المنصوری داؤديا اماماً في مذهبه وله تدريس وتصانيف وقد صنف كتباً عدة	یہاں کے اکثر باشندے اہل حدیث ہیں اور میں نے قاضی ابو محمد منصوری کو دیکھا وہ داؤد اصفہانی کے پیرو اور اُن کے مذہب کے امام ہیں۔ وہ درس و تدریس نیز تصنیف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسنة" (ایضاً صفحہ ۴۸۰) وتالیف میں مشغول رہتے ہیں اور بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کرچکے ہیں

اس کے بعد ملتان کا ذکر کرتا ہے اور پھر لکھتا ہے :-

"ولا تخلوا القصبات من فقهاء علی مذهب ابی حنیفة" کوئی شہر حنفی فقہاء سے خالی نہیں ہے۔

مقدسی سے کوئی آٹھ سال قبل (۳۶۶ھ میں) ابن حوقل آیا تھا اس نے ملتان کے بارے میں لکھا ہے :-

"وفی اهلها رغبة فی القرآن وعلمه والاخذ بالمقاری السبعة والفقه وطلبة الادب والعلم" (کتاب صورة الارض صفحہ ۳۲۲)

اہل ملتان قرآن اور علوم قرآن کا شوق رکھتے ہیں۔ ساتوں قرآتوں کے حاصل کرنے کا رواج ہے۔ نیز فقہ کے شائق ہیں اور علم و ادب کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ابن حوقل اور مقدسی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے اندر سندھ اور ملتان کی تعلیمی حالت بہت اچھی تھی۔ علم و ادب کا بڑا چرچا تھا۔ ملتان میں قرأت سبعہ کا اور منصورہ (سندھ) میں حدیث کا بڑا رواج تھا۔ منصورہ میں قاضی ابو محمد کا مدرسہ تھا، جو داؤد اصفہانی کے پیرو اور اہلحدیث تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف۔ عموماً بڑے شہروں میں حنفی فقہ کے عالم تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس علاقے میں نہ معتزلی تھے، نہ مالکی اور نہ حنبلی"

ابن حوقل ہو یا مقدسی، دونوں نے سندھ اور ملتان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ چوتھی صدی ہجری کی کیفیت ہے، لیکن دونوں کی تصریح سے یہ بات کہیں نہیں نکلتی کہ

"پہلی صدی ہجری میں ہی مسلمان سرزمین سندھ میں ہندوستان کو اپنے علوم سے روشناس کرا چکے تھے۔"

شاید فاضل مضمون نگار کو یہ نہیں معلوم کہ سندھ ۹۳ھ میں اور ملتان ۹۵ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ فاتحین کے سامنے پہلا کام استحکام سلطنت کا تھا اور علمی سرپرستی کا بعد میں۔ ...

محمد بن قاسم نے حجاج کو جو رپورٹ بھیجی تھی اس میں حسب تصریح "چچ نامہ" تحریر تھا :-

"بجائے تعبدگاہ کفر مساجد و معابد برآوردہ شود و بانگ نماز و خطبہ و منابر بنا نہادہ آید تا در اوقات فرض حق می گذارند و تکبیر و تذکیر خدائے عزوجل بامداد و شبانگاہ بہ ادا می رسانند"

لیکن "قیام جمعات و انتظام خطبہ" اور "رسمی تعلیم و تدریس" میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری صدی میں بعض سندی الاصل فضلاء کے نام ملتے ہیں جیسے حدیث میں ابو معشر نجیح فقہ میں امام اوزاعی، کلام میں عمرو بن عبید اور شعر و شاعری میں ابو عطا سندی، لیکن ان حضرات نے اپنے اپنے علوم میں یہ کمال سندھ کے اندر حاصل نہیں کیا تھا۔ ان میں سے بہت سے فضلاء تو سندھ میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ صرف سندی الاصل باپوں کی اولاد تھے جنھیں جنگی قیدی کی حیثیت سے لے جایا گیا تھا، تعلیم سب نے عراق میں جا کر حاصل کی، اس لئے یہ کہنا کہ "مسلمان پہلی صدی میں سرزمین سندھ و ہند کو اپنے علوم سے روشناس کرا چکے تھے" دعویٰ بلا دلیل اور مقدسین کی جانب اس کا انتساب تعجب خیز اور افسوسناک ہے :۔

۲۔ اس کے بعد فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں :۔

"لیکن فرشتہ کی نظر میں اسلامی نظام تعلیم کی ابتداء محمود غزنوی کے دور سے ہوتی ہے ...

... ہندوستان میں اپنے مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کے ساتھ ساتھ اس نے یہاں جا بجا مدارس بھی کھلوائے، چنانچہ فرشتہ محمود کے تذکرہ میں لکھتا ہے :۔

"آں مسجد و مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب (؟) موشح گردانیدہ، دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمودہ" (تاریخ فرشتہ جلد اوّل)"

لیکن ایسا اندیشہ ہوتا ہے کہ انھوں نے نہ تو فرشتہ کی پوری عبارت کو درخور اعتنا سمجھا اور نہ محمود غزنوی کے حالات سے خود کو واقف بنانے کی زحمت فرمائی :۔

مضمون نگار نے "تاریخ فرشتہ" کا جو اقتباس دیا ہے وہ بجائے خود تصرف بیجا کا شکار معلوم ہوتا ہے کیونکہ

"آں مسجد و مدرسہ بنا نہادہ"

اکھڑی اکھڑی سی عبارت ہے جو فرشتہ جیسے ادیب سے مستبعد ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کی عبارت مضمون نگار نے کسی مصلحت سے نقل نہیں کی۔

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ جب محمود قنوج کو فتح کرکے بے شمار مال غنیمت لے کر غزنی پہونچا تو وہاں اس نے ایک مسجد بنوائی اور مسجد کے پاس ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ مدرسہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں دنیائے علم و ادب کے بہترین شاہکار جمع تھے۔ فرشتہ کی پوری عبارت حسب ذیل ہے :۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سلطان چوں بفتح و فیروزی ازیں سفر مراجعت نمود، فرمود تا در غزنیں مسجد جامع بنیاد نہادند اصل عمارت مسجد از سنگ مرمر و رخام مربع و مسدس و مثمن و مدور برآوردند، بطرزیکہ بینندگان از متانت و طراحی آں متحیر شدند ... ... و در جوار آں مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ، و دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود۔" (تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۰)

مضمون نگار نے مضاف "جوار" کو اڑا دیا اور مضاف الیہ "آں مسجد" کے بعد واو عاطفہ کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا جو علمی و تحقیقی ذمہ داریوں کے قطعاً منافی ہے۔ اس سے زیادہ یہ کہ توطید مقصد کے لئے انھوں نے شروع کی عبارت

"فرمود تا در غزنیں مسجد جامع بنیاد نہادند... ... ... و در جوار و ....."

ہی کو حذف کر دیا، کیونکہ اس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ واقعہ غزنیں میں ظہور پذیر ہوا تھا نہ کہ ہندوستان میں، مگر اس تصرف بیجا سے قارئین کرام بآسانی دھوکا کھا سکتے ہیں کہ محمود نے یہ مدرسہ ہندوستان میں بنایا تھا، حالانکہ وہ غزنیں میں بنایا گیا تھا جو آج کے افغانستان اور اُس عہد کے خراسان میں واقع تھا اس لئے فاضل مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ "ہندوستان میں ... ... اُس نے (محمود نے) ... ... جا بجا مدارس بھی کھلوائے۔" دعویٰ بلا دلیل ہے اور فرشتہ کی عبارت کو اس کی تائید میں پیش کرنا انتہائی غلط اور گمراہ کُن بات ہے۔

۳۔ اسی طرح اُنھوں نے مسعود کے بارے میں جو لکھا ہے کہ

"اس نے غزنی سے ماہرین تعلیم بلوائے اور بڑے شہروں میں جا بجا مدارس کی بنیاد رکھی۔"

اور پھر اس کی تائید میں تاریخ فرشتہ سے استشہاد کہ

"در اوائل سلطنت و در ممالک محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد نہادند کہ زبان از تعداد آں عاجز است"

بھی محل نظر ہے، مگر اس سے زیادہ افسوسناک اُن کا یہ فرمانا ہے کہ

"ہندوستان میں اسلامی نظام تعلیم کا یہ ابتدائی دور تھا۔ اس لئے نصاب اس قدر مختصر مرتب کیا گیا جس سے وقتی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں علم نحو میں کافیہ، فقہ میں ہدایہ، تفسیر میں کشاف اور حدیث میں مشارق الانوار کی تدریس پر اکتفا کیا گیا۔ مسعود کے بعد بہرام کے عہد میں بھی شیخ نظامی اور سید حسن غزنوی جیسے علماء نے اسی نصاب کو برقرار رکھا۔" (الرحیم اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۸-۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

فاضل مضمون نگار کا کہنا ہے کہ مسعود کے عہد میں نصاب کے اندر کافیہ، ہدایہ، کشاف اور مشارق الانوار داخل تھیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی کتاب اس وقت تک وجود میں بھی نہیں آئی تھی بلکہ کتاب تو درکنار کتاب کے مصنف بھی پیدا نہیں ہوئے تھے کیونکہ مسعود کا عہد حکومت ۴۲۲ تا غایت ۴۳۲ ہجری ہے لیکن کافیہ کے مصنف ابن حاجب کا سال وفات ۶۴۶ھ ہے اور سال ولادت ۵۷۰ھ[1] یعنی مسعود کے مرنے کے ۱۳۷ سال بعد۔

ہدایہ کے مصنف برہان الدین مرغینانی کا سال وفات ۵۹۳ھ[2] ہے یعنی ۴۳۳ھ کے ۱۶۰ سال بعد اس لئے ولادت مسعود کے مرنے کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔

کشاف کے مصنف زمخشری کا سال وفات ۵۳۸ھ ہے اور سال ولادت ۴۶۷ھ[3] یعنی مسعود کے مرنے کے ۴۳ سال بعد۔

مشارق الانوار کے مصنف حسن صاغانی کا سال وفات ۶۵۰ھ ہے اور سال ولادت ۵۷۷ھ[4] یعنی مسعود کے مرنے کے ۱۴۴ سال بعد۔

تعجب ہے فاضل مضمون نگار کی نظر اتنے کھلے ہوئے تاریخی حقائق تک نہ پہونچ سکی جو اس مضحکہ خیز دعوے کی نوبت آئی۔

۴۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"طبقات ناصری کے مصنف کے بیان کے مطابق سید مولی نے دہلی میں ایک مرکزی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے نے مدارس کی تنظیم کے لئے ایک اہم کردار ادا کیا اور مدارس کے لئے ایک نصاب مرتب کیا جس میں مندرجہ ذیل کتب پڑھائی جاتی تھیں ... ..."

ا۔ "طبقات ناصری" کا سال تصنیف ۶۵۸ھ ہے اس وقت سید مولی (سید مولہ) ہندوستان میں آیا بھی نہیں تھا کیونکہ حسب تصریح فرشتہ وہ بلبن (۶۶۴ - ۶۸۵ھ) کے عہد میں آیا اس لئے طبقات ناصری

۱ے تاریخ ابن خلکان جلد صفحہ — ۲ے الجواہر المضیہ جلد اول صفحہ ۳۸۳

۳ے تاریخ ابن خلکان جلد ثانی صفحہ ۸۱ اور حسب تصریح بغیۃ الوعاۃ زمخشری کا سال ولادت ۴۹۷ھ ہے — ۴ے الجواہر المضیہ جلد اول صفحہ ۲۰۱ یہی قول متفق علیہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں "سید مولی" کے مرکزی ادارہ اور مدارس کی تنظیم میں اہم کردار ادا کرنے" کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ منہاج سراج نے "طبقات ناصری" میں مولانا نور ترک کے فتنہ کا ذکر کیا ہے مگر وہ ایک قرمطی تحریک کے سربراہ تھے۔ جس کا مقصد عامہ اہل اسلام کو علماء سے برگشتہ کرنا تھا۔ سلطان رضیہ کے عہد حکومت میں ۶۳۷ھ میں اُن کے پیرووں نے جمعہ کے دن شہر میں مسلح بغاوت کی مگر یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔ مولانا نور ترک کو صوفیائے کرام نے مومن اور منہاج سراج نے تخریب پسند قرمطی لکھا ہے مگر کسی نے بھی ان کی مزعومہ "مدارس کی تنظیم" کا ذکر نہیں کیا۔

ب۔ پھر منہاج سراج نے "طبقات ناصری" میں کسی سید مولی کا ذکر نہیں کیا اور ہو بھی کس طرح سکتا تھا سیدی مولہ کا طبقات ناصری کی تالیف کے وقت تک ہندوستان میں وجود بھی نہیں تھا وہ بلبن کے زمانے میں آئے چنانچہ فرشتہ "ملحقات" سے نقل کرتا ہے:۔

"و در ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری بنظر آمدہ کہ او مردے بود در لباس درویشاں از جرجان بجانب مغرب رفتہ ... ... و در عہد پادشاہ غیاث الدین بلبن ہوس سیر دہلی کردہ برخصت شیخ روئے توجہ بجانب دہلی آورد" (تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۹۲)

بہر حال سیدی مولہ کا فتنہ اور اس کا قتل جلال الدین خلجی (۶۸۷ - ۶۹) کے عہد کا واقعہ ہے، چنانچہ فرشتہ اس کے زمانہ حکومت کے واقعات میں لکھتا ہے:۔

"و از جملہ حوادث غریبہ کہ در زمان چنیں پادشاہ سلیم النفس روئے نمود کشتہ شدن سیدی مولہ نام درویش بود" (تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۹۲)

ضیاء برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" میں اس واقعہ کی تفصیل دی ہے۔ فرشتہ نے ضیاء برنی اور صدر جہاں گجراتی سے اس کی تفصیلات نقل کی ہیں۔ فرشتہ کے علاوہ نظام الدین نے "طبقات اکبری" میں اور عبدالقادر بدایونی نے "منتخب التواریخ" میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ سب نے اُس کے تجرد، ریاضت و مجاہدہ، بذل و ایثار، لنگر خانہ حتیٰ کہ کیمیا دانی و کیمیا سازی سبھی باتوں کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اُس نے مدارس کی تنظیم کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ یا کوئی نصاب تجویز کیا تھا۔

ج۔ اور پھر نصاب بھی کیسا جس میں بہت سی ایسی کتابیں بتائی جاتی ہیں جن کا اور جن کے مصنفوں کا سیدی مولہ کے زمانے میں وجود تک نہ تھا۔ مثلاً نحو میں "ارشاد" جو ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تصنیف ہے جن کا انتقال ۸۴۹ھ میں ہوا تھا۔ تفسیر میں مدارک اور اصول فقہ میں المنار جو ابوالبرکات نسفی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیف ہے جن کا انتقال سنہ ۶۱۳ھ میں ہوا تھا۔

اس کے بعد جو کچھ فرمایا ہے:۔ "اس دور کے علماء نے ... ... اسی نصاب کی تدریس فرمائی"

بیش از گلفشانی نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے اکثر بزرگ سید مولہ سے کہیں مقدم ہیں جیسے حضرت قطب الدین بختیار کاکی، جن کا وصال سنہ ۶۳۳ھ میں ہوا تھا یا شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی جن کا سال وفات سنہ ۶۶۱ھ ہے شیخ فرید گنج شکرؒ سید مولہ کے مقتدا یہ تھے (فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۹۲) نہ کہ مقتدی و پیرو۔

۶۔ مزید تفصیل بیکار ہے کیونکہ اس مختصر یادداشت کا مقصد محترم المقام جناب طفیل احمد قریشی صاحب پر نکتہ چینی نہیں ہے اس لئے دیگر تسامحات کی نشان دہی سے صرف نظر کیا جاتا ہے البتہ ایک چیز پر متنبہ کئے بغیر گذر جانا ذمہ داری کے منافی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اکبر کا عہد حکومت جہاں اور بہت سی تبدیلیوں کا باعث بنا، وہاں اس کا اثر ہمارے نصاب تعلیم پر بھی بہت گہرا پڑا۔ ان اہم تبدیلیوں کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں بھی کیا ہے۔ سنہ ۹۹۵ھ میں اکبر نے مدارس میں علوم نقلیہ (قرآن، حدیث و فقہ وغیرہ) میں بے اعتنائی کر کے علوم مروجہ فلسفہ، طب، ریاضی، نجوم، ہیئت، کیمیا وغیرہ مضامین کی تدریس کے احکامات جاری کر دیئے۔"

اکبر کی اسلام بیزاری نے مدارس کے نصاب کو متاثر کرنے کی بھی کوشش کی مگر دیگر مسلمان حکمرانوں کی طرح نصاب کی تبدیلی میں براہ راست اکبر کا بھی کوئی دخل نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ معقولات کی گرم بازاری اکبر کی تخت نشینی سے کہیں پہلے شروع ہو چکی تھی۔ مضمون نگار نے اسے ۹۹۵ھ کے اکبری فرمان کا نتیجہ بتایا ہے حالانکہ اکبر سنہ ۹۶۳ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور ہندوستان میں معقولات کی گرم بازاری ایک صدی پہلے سے شروع ہو چکی تھی، کیونکہ علماء ملتان میں سے شیخ عبداللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ ملتانی نویں صدی ہجری کے آخر میں سکندر لودی کے عہد حکومت میں تشریف لائے اور ان کے نفس گرم کی تاثیر سے اس دیار میں معقولات کا بازار گرم ہوا۔ بدایونی نے لکھا ہے:۔

"و از علماء کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبھل بود و این ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادہ و قبل ازاں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبود۔" (منتخب التواریخ کشوری ص ۸۶)

واقعہ یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری میں متعدد عوامل نے معقولات کی گرم بازاری میں حصہ لیا۔ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً چھ عامل تھے۔

(ا) آٹھویں صدی کے آخر میں ملتان سے شیخ سناء الدین ایران تشریف لے گئے جہاں میر سید شریفؒ سے معقولات پڑھ کر آئے، اور بھی علماء میر سید شریفؒ اور علامہ تفتازانی سے ان علوم کو پڑھ کر آئے۔ انھیں علماء کبار کے شاگرد شیخ عبداللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ طلبنی تھے جن کا تذکرہ ابھی مذکور ہوا۔

(ب) دسویں صدی کے آغاز میں محقق دوانی کے شاگرد ہندوستان میں آئے اور معقولات کی ترقی میں حصہ لیا چنانچہ خطیب ابوالفضل گازرونی اور ابوالفضل استرآبادی نیز ملّا عماد طارمی گجرات آئے خطیب ابوالفضل گازرونی کے شاگرد وزیر آصف خاں، ابوالفضل استرآبادی کے شاگرد ابوالفضل کے باپ شیخ مبارک اور ملا عماد طارمی کے شاگرد مولانا وجیہہ الدین گجراتی تھے، شمالی ہندوستان میں میر رفیع الدین صفوی اور اس صدی کے آخر میں خواجہ جمال الدین محمود تشریف لائے۔ خواجہ جمال الدین کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی تھے جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

(ج) خراسان و ماوراء النہر میں اس زمانے میں معقولات کا بہت زیادہ رواج تھا لہٰذا جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں مستقل سلطنت قائم کی تو ان ممالک کے اکثر علماء نے ہندوستان میں آکر معقولات کو ترقی دی جیسے محمد سعید ترکستانی یا قاضی عبدالسمیع اندجانی جو شرح مواقف اور شرح مطالع کی تدریس میں ید طولیٰ رکھتے تھے، بالخصوص عبداللہ خاں اوزبک کے زمانہ میں جب ملّا عصام الدین اسفرائنی [جو علوم عقلیہ میں سرآمد فضلائے روزگار تھے] کے شاگردوں نے اپنی منطق دانی سے ایک فتنہ برپا کیا تو عبداللہ خاں نے عصام الدین اور اُن کے شاگردوں کو جلاوطن کر دیا۔ ان میں سے بہت سے لوگ ہندوستان چلے آئے۔

(د) اسی زمانے میں ایران کے اندر انقلاب آیا اور صفوی حکومت قائم ہوئی۔ صفویوں نے احیائیت پسندوں کو آزادی دے دی جس کے نتیجہ میں بہت سی ملحدانہ تحریکیں پیدا ہوگئیں ان میں سب سے اہم نقطویت تھی۔ لیکن شاہ اسمٰعیل پسر شاہ طہماسپ کے قتل کے بعد جب اس کا سوتیلا بھائی خدا بندہ تخت نشین ہوا تو اس نے رفض و تشیع پر سخت پابندی لگادی اور تبرا بند کر دیا۔ اس کا اثر ملک کی دیگر ملحدانہ تحریکوں پر بھی پڑا اور اُن کے پیرو نئے بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ہندوستان چلے آئے۔ بدایونی نے لکھا ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"و بعد از و (شاہ اسمٰعیل پسر شاہ طہماسپ) سلطان محمد خدابندہ ... ... بپادشاہی نشست ... ... ولات طعن و لعن صحابہ کبار کہ از ہزار ماہ درست ... ... سپری شد اما الحاد ازاں بلاد سرایت باین ولایت کرد۔ بیت

نفاق آمدہ در ہند از بلاد عراق — عراق قافیہ میداں بر گذار نفاق"

(منتخب التواریخ کشوری صفحہ ۲۱۶)

اور چونکہ الحاد کا سہارا ہمیشہ تفلسف پر رہا ہے۔ ان ملاحدہ کی آمد علوم فلسفیہ کی گرم بازاری میں خاصہ حصہ لیا۔

۸۔ اکبر کی اسلام بیزاری نے بھی بالواسطہ تفلسف پسندی کو ترقی دی لیکن یہ غلط ہے کہ

"اکبر نے مدارس میں علوم نقلیہ (قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ) میں بے انتہا کمی کر کے علوم مروجہ فلسفہ، طب، ریاضی، نجوم، ہیئت، کیمیا وغیرہ مضامین کی تدریس کے احکامات جاری کئے۔"

قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں حکومت نے کبھی مدارس کے نجی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ نصاب میں ترمیم کا تو سوال ہی کیا۔ رہا بدایونی سے استشہاد تو "ماموریں" کو مضمون نگار نے عام سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ دین الٰہی کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں ہے اور یہ حکم دین الٰہی کے پیرووں ہی کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ صاحب دبستان المذاہب نے اسے صاف کر دیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"وحکم شد کہ الٰہییین از علوم غیر نجوم وحساب وطب وفلسفہ نخوانند و عمر گرامی صرف آنچہ معقول نیست صرف نہ کنند۔" (صفحہ ۳۲۸)

البتہ بالواسطہ اس کا اثر عوام پر بھی پڑا اور انھیں علوم دینیہ کے بجائے علوم عقلیہ سے دلچسپی بڑھ گئی چنانچہ صاحب دبستان المذاہب نے دوسرے مقام پر لکھا ہے:۔

"وبشنیدن مناظرۂ علماء درمیان مردم بالطبع خواندن تفسیر وفقہ برطرف شد و نجوم وحکمت وحساب وتصوف وشعر وتاریخ مقرر گشت۔" (صفحہ ۳۲۷)

۹۔ اس صدی کے آخر میں امیر فتح اللہ شیرازی شمالی ھندوستان میں تشریف لائے انھوں نے آکر علوم عقلیہ کی تدریس پر خاص توجہ دی۔ اس سلسلہ میں فاضل مضمون نگار نے جو گلفشانی فرمائی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بڑی افسوسناک ہے۔ فرماتے ہیں:-

"اس کے لئے بیرونی ممالک سے ماہرین تعلیم بلوائے۔ ان حالات کا تذکرہ مآثر الکرام نے یوں کیاہے:

تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث منصور و مرزا جان میر بہ ہندوستان آورد و درحلقہ درس انداخت و جم غفیر از حاشیہ عقل استفادہ کردند وازاں عہد معقولات را رواجے دیگر پیدا شد۔ (مآثر الکرام)

باہر کے علمائے متاخرین جیسے محقق دوانی، میر صدر الدین، میر غیاث منصور اور مرزا جان میر کی تصانیف ہندوستان میں لائی گئیں اور حلقہ درس میں شامل ہوئیں اور ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا، اور اس طرح اس عہد سے معقولات کا رواج عام ہوا"۔

تعجب ہے ایک فاضل جو عربی اور علوم عربیہ پر ناقدانہ تبصرہ کرنے چلا ہے، فارسی کی معمولی عبارات کے سمجھنے میں اتنی مایوس کن ناواقفیت کا ثبوت دے۔ ملحوظات ذیل قابل غور ہیں۔

اول: فارسی عبارت ہے "بہ ہندوستان آورد" بصیغہ فعل معروف (ACTIVE VOICE) جس کا ترجمہ فاضل مضمون نگار نے بصیغہ مجہول (PASSIVE VOICE) "لائی گئیں" کیا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ یہ محض لفظی گرفت نہیں ہے۔ انھیں "آورد" کا فاعل نہیں ملا۔ اس لئے انھوں نے اسے بلا کسی وجہ وجیہہ کے بصیغہ مجہول سمجھ کر اس کا ترجمہ "لائی گئیں" کر دیا۔ حالانکہ اگر انھوں نے سیاق و سباق عبارت کا خیال کیا ہوتا تو "فاعل" ضرور مل جاتا۔

دوم:- "مرزا جان میر" کسی فاضل کا نام نہیں تھا۔ "میر غیاث منصور" کا معطوف صرف "مرزا جان" ہے نہ کہ "مرزا جان میر"۔ مرزا جان شیرازی امیر فتح اللہ شیرازی کے استاد خواجہ جمال الدین محمود شیرازی کے شاگرد تھے۔ "مرزا جان" کے بعد "میر" کا جو لفظ ہے وہ "مرزا جان" سے بالکل علیحدہ ہے اور یہی "میر" "آورد" کا فاعل ہے۔ "میر" سے مراد امیر فتح اللہ شیرازی ہیں اور یہ "میر" (مرزا جان کے بعد) احترام کا کلمہ ہے۔ مآثر الکرام کی یہ عبارت انھیں "امیر فتح اللہ شیرازی" کے تذکرہ سے ماخوذ ہے۔ دیکھئے مآثر الکرام صفحہ ۲۳۶ — ۲۳۸ بہرحال یہ لفظ "میر" (مرزا جان) "بہ ہندوستان آورد" اور "درحلقہ درس انداخت" کا فاعل ہے۔ ترجمہ یہ ہوا:-

"امیر فتح اللہ شیرازی ہی نے متاخرین علمائے ولایت مثلاً محقق دوانی، میر صدر الدین شیرازی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان شیرازی کی تصانیف لاکر ہندوستان کے مدارس میں متعارف کرائیں"

مزید تفصیل حسب ذیل ہے :-

نویں صدی کے آخر میں ایران (شیراز) کے اندر دو زبردست عالم تھے جو ایک دوسرے کے حریف تھے، محقق جلال الدین دوانی اور میر صدر الدین شیرازی —— دونوں میں علمی مباحثے رہتے تھے (حبیب السیر جلد سوم جزو چہارم صفحہ ۱۱۱ — ۱۱۲) محقق دوانی کے شاگرد رشید خواجہ جمال الدین محمود شیرازی تھے، خواجہ جمال الدین کے شاگرد مرزا جان شیرازی تھے جو صفوی خاندان کی چیرہ دستیوں کے بعد ترک وطن کر گئے تھے۔ اُن سے خراسان میں مُلّا یوسف کوسج نے پڑھا۔ مُلّا یوسف کوسج کے شاگرد مُلّا عوض وجیہہ سمرقندی تھے ان کے شاگرد محمد فاضل بدخشی۔ ان کے شاگرد میر زاہد ہروی، میر زاہد کے شاگرد شاہ ولی اللہؒ کے والد بزرگوار حضرت عبد الرحیم صاحب تھے، حضرت عبد الرحیم صاحب کے شاگرد معقولات میں شاہ ولی اللہؒ تھے جن سے دیوبند اور سہارنپور کے سلسلے چلے۔

میر صدر الدین شیرازی کے شاگرد اُن کے صاحبزادے میر غیاث الدین منصور تھے جو اپنی معقولات دانی کی بناء پر "عقل حادی عشر" کہلاتے ہیں، باپ کے مرنے پر انھوں نے محقق دوانی کے ساتھ علمی نوک جھونک جاری رکھی اور محقق دوانیؒ کے حاشیہ جدیدہ کا جواب نیز اُن کی "شرح ہیاکل النور" کا رد لکھا۔ امیر فتح اللہ شیرازی نے پہلے خواجہ جمال الدین محمود سے پڑھا۔ بعد میں جب وہ ایران سے چلے گئے تو دوسرے علماء سے استفادہ کیا۔ ان میں سب سے مشہور میر غیاث الدین منصور تھے۔ امیر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد عنایت اللہ شیرازی تھے، جو دکن آگئے تھے، ان کے ایماء سے امیر فتح اللہ شیرازی بھی دکن چلے آئے مگر جب عادل شاہ والی بیجاپور کے انتقال کے بعد دکن میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری ہوئی اور امیر عنایت اللہ شیرازی قتل ہوگئے تو امیر فتح اللہ کے لئے وہاں رہنا ناممکن ہوگیا۔ اس لئے اکبر کی طلب پر ہندوستان آگئے کیونکہ اکبر کو اُمید دلائی گئی تھی کہ وہ اُس کی الحاد نوازی کی تائید کریں گے، چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے :-

"شنیده بودند که او شاگرد بواسطہ میر غیاث الدین منصور شیرازی است که بنماز وعبادات دیگر چندانے مقید نبود، گمان داشتند که مگر در سخنان مذہب و دین بالیشان مماشاۃ خواہد کرد"

(منتخب التواریخ کشوری صفحہ ۳۴۳)

بہر حال جب امیر فتح اللہ ہندوستان پہونچے تو بڑے بڑے علماء عالی تبار نے اُن سے کُتب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معقولات کی تعلیم حاصل کی، ان میں ملّا عبدالسلام لاہوری خاص طور سے مشہور ہیں۔ ملّا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد مفتی عبدالسلام دیوی تھے۔ ان کے شاگرد ملّا دانیال چوراسی تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے ملّا نظام الدین سہالوی تھے جن سے فرنگی محل کے علمی خاندان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

غرض امیر فتح اللہ شیرازی کے نفس گرم کی تاثیر سے معقولات کی تعلیم کا خصوصی رواج ہوا اور انھیں لئے اپنے اساتذہ محقق دوانی، میر صدر الدین شیرازی۔ میر غیاث الدین منصور اور اپنے استاد کے شاگرد رشید مرزا جان شیرازی کی کتابیں لاکر یہاں کے نصاب میں داخل کیں۔

یہ تھا اصل واقعہ، جس کا میر غلام علی نے "مآثر الکرام" میں ذکر کیا تھا، اسے فاضل مضمون نگار کہاں تک سمجھے، اس کا اندازہ صرف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے "آورد" (بصیغہ ماضی معروف) کا ترجمہ "لائی گئیں" (بصیغہ ماضی مجہول) کیا اور فاعل "میر" (امیر فتح اللہ شیرازی) کو مضاف الیہ "مرزا جان" کا جزء سمجھ لیا۔ فیاللعجب،

جب صورت حال یہ ہو اور معالج کی "تشخیص" کا یہ انداز ہو تو اُس کے "علاج" کی تجویز کسی مزید تبصرے کی محتاج نہیں ہے۔

۷۔ دو کلمے اُن کے مجوزہ اصلاحی پروگرام کے بارے میں بھی سُن لیجئے۔ صفحہ ۲۵ سطر ۸ پر فرماتے ہیں:

"ریاضی کی تقریباً چھ کتب میں وہ آسانیاں بالکل نہیں ہیں جو جدید الجبرا، جیومیٹری اور حساب نے مہیا کردی ہیں"

ریاضی کی یہ "چھ کتب" انھوں نے صفحہ ۲۲ سطر ۶-۷ پر گنائی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"ریاضی: خلاصۃ الحساب۔ تحریر اقلیدس۔ مقالہ اولیٰ۔ رسالہ توشیحیہ۔ تشریح الافلاک، شرح چغمینی باب اوّل۔"

یعنی "مقالہ اولیٰ" کو انھوں نے ایک مستقل کتاب سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ "تحریر اقلیدس" ہی کا جزء ہے۔ بات یہ ہے کہ "اُصول اقلیدس" میں تیرہ (۱۳) مقالے تھے، بعد میں دو (۲) مقالے حکیم ابسقلاؤس نے بڑھائے ان میں سے پہلے چھ (۶) مقالے مسطحات پر ہیں، اس کے بعد چار (۴) مقالے عددیات پر ہیں اور آخر کے تین (۳) (یا پانچ) مقالے مجسمات پر ہیں، پہلے چھ (۶) مقالوں میں سے پہلے مقالہ کی اشکال وہ ہیں جو آجکل ساتویں آٹھویں درجوں میں پڑھائی جاتی ہیں، دوسرے تیسرے اور چوتھے مقالے کی اشکال نویں دسویں درجے میں اور پانچویں چھٹے مقالے کی اشکال انٹرمیڈیٹ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ عددیات (ساتویں سے دسویں مقالے تک) کا کہیں رواج نہیں ہے، مجسمات یعنی گیارھویں بارھویں اور تیرھویں مقالے کی اشکال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(SOLID GEOMETRY) کے عنوان سے انٹرمیڈیٹ میں پڑھائی جاتی ہیں لیکن عام طور پر صرف پہلے مقالے ہی کی اشکال کی ضرورت پڑتی ہے، اور اسی لئے اس پر زور دیا جاتا ہے چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں مولانا شمس الدین سمرقندی نے پہلے مقالہ کی اُن پینتیس ۳۵ اشکال کا انتخاب جو علم ہندسہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں "اشکال التاسیس" کے نام سے کیا [جس کی بعد میں قاضی زادہ رومی شارح ملخص چغمینی نے شرح لکھی]

بہر حال ہمارے یہاں درس نظامی کے جاری ہونے کے بعد سے نصاب میں عموماً تحریر اقلیدس کے پہلے مقالے ہی کا رواج ہے اور اس لئے "تحریر اقلیدس مقالہ اولی" ایک کتاب کا نام ہے نہ کہ دو کتابوں کا جیسا کہ فاضل مضمون نگار سمجھ بیٹھے ہیں۔

ان تفصیلات سے مقصود حاشا وکلا نکتہ چینی نہیں ہے، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں تشخیص ہی اس درجہ ناقص ہو، وہاں علاج کی افادیت معلوم۔ جو فضلائے کرام عربی تو درکنار، فارسی کی معمولی عبارات صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے، اُن کے منہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کے دقائق پر نکتہ چینی بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔

لیکن اس عرضداشت کا مطلب رجعت پسندی نہیں ہے نہ موجودہ نصاب پر اصرار ہے۔ نصاب تعلیم میں، جیسا کہ شروع میں عرض کیا جاچکا ہے ہمیشہ اصلاح و ترمیم ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہونا چاہیئے، مگر جو حضرات عربی مدارس کے نصاب میں اصلاح کی ضرورت کا احساس کرتے ہیں، وہ ذمہ داری کے ساتھ اس کا جائزہ لیں اور اس کے لئے شرط اولیں عہد بعہد کی نصابی تاریخ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

© rasailojaraid.com